ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

# منتخب پاکستانی افسانوں میں سرمایہ دارانہ عناصر

# CAPITALIST ELEMENTS IN SELECTED PAKISTANI SHORT STORIES

* ڈاکٹر آمنہ رفیق
شعبہ اُردو، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور
** محسن نواز بسراء
پی ایچ۔ڈی۔اردو (اسکالر)، جی۔سی۔یونیورسٹی، لاہور
*** اسرار احمد
لیکچرر، شعبہ اردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، بہاولنگر کیمپس

**Abstract:**
*Soon after the partition, Urdu literature began to scrutinize the social and economic challenges that the new nation faced, one of which was the portrayal of the capitalist system. Urdu short stories of that time exhibit a multifaceted and often skeptical view of capitalism in Pakistan. These stories illustrate the stark contrast between the wealthy and the impoverished and the exploitation of the working class. The authors describe the challenges that the less fortunate segments of society face, and the adverse effects of capitalism on their lives, such as poverty, social exclusion, etc. This article is based on such selected stories that depict the negative aspects of capitalist system and provide a nuanced understanding of the impact of capitalism on individuals and society.*

**Keywords:** Urdu Short Stories, Capitalism, Mumtaz Mufti, Ahmad Nadeem Qasmi, Shoukat Siddiqui, Hajra Masroor

**کلیدی الفاظ:** اردو افسانہ۔ سرمایہ دارانہ نظام، ممتاز مفتی، احمد ندیم قاسمی، شوکت صدیقی، ہاجرہ مسرور

(تقسیم ہند کے فوری بعد اُردو ادب نے نئی قوم کو درپیش سماجی و معاشی مسائل اور چیلنجز کا بھرپور اظہار کیا۔ ان میں سے ایک سرمایہ دارانہ نظام کی تصویر کشی تھی۔ اُردو افسانے نے پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام کے کثیر الجہتی اور متشکک تصور کو پیش کیا جو ملک نو کے ساتھ ہی جنم لے چکے تھے۔ ان افسانوں میں امیر و غریب اور محنت کش طبقے کے درمیان واضح فرق اور غریب و مجبور افراد کے استحصال کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے۔ افسانہ نگاروں نے نچلے طبقے کو درپیش مشکلات اور ان کی زندگیوں پر سرمایہ داری کے منفی اثرات، مثلاً غربت، معاشرتی تنزلی، تزلیل اور استحصال وغیرہ کو بذبان قلم ابھارا۔ یہ مضمون ایسی منتخب کہانیوں کا احاطہ کرتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے منفی پہلوؤں کا کھل کر اظہار کرتی ہیں۔ یہ منتخب افسانے افراد اور معاشرے پر سرمایہ داری کے اثرات کو باریک بینی سے جانچتے اور معاشرتی صورت حال پر ضمیر کو بیدار کرتے ہیں۔)

پاکستانی معاشی نظام میں جاگیرداری کے پس پشت سرمایہ داری کارفرما نظر آتی ہے۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں تو جاگیرداری اور زمینداری میں کمی واقع ہوئی مگر پاکستان میں حالات کی نمود قطعاً مختلف تھی۔ وطنِ نو میں وسیع پیمانے پر جاگیرداروں نے مسلم لیگ کا رخ کیا اور نتیجتاً یہ نظام مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار ہوا۔ سرمایہ دارانہ نظام بھی سست رفتار صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنے وجود کو مضبوط کرتا گیا۔ پاکستان میں بظاہر طبقات کی دو صورتیں نظر آتی ہیں: ایک سرمایہ دار جس کے پاس پیسے کی فراوانی ہے اور دوسرا وہ جو روزگار کا محتاج، غریب یا متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔

وہ تمام کام جو انسانوں اور جانداروں سے لیے جاتے تھے، ان کی جگہ مشینوں نے لے لی۔ مشینوں کے استعمال نے بے روزگاری کو فروغ دیا اور مجبوراً لوگ کم اجرت پر کام کرنے کے لئے آمادہ ہونے لگے۔ اس امر نے صنعتی سرمایہ داری کو بھی فروغ دیا۔ غربت و افلاس میں اضافہ ہوا۔ کثیر رقم کمانے کے لالچ میں لوگ زیادہ کام کرتے، صحت خراب ہوتی اور غربت کے باعث خاندان کے افراد ایک دوسرے پر بوجھ محسوس ہونے لگے۔ سرمایہ دار تو اپنا سرمایہ بڑھانے میں مصروف رہتا ہے مگر مزدور اور خادم کی تنخواہ میں اضافہ نہیں ہوتا۔ روزگار کی فکر میں وہ کم سے کم رقم پر بھی کام کرنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ اہم اور ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی اور قیمتوں میں اضافے سے سرمایہ کی کثرت ہوتی اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

غربت بڑھتی ہے۔علاوہ ازیں سرمایہ داری کا قیام سودی نظام پر ہے جسے اس نظام کا جزو بنا کر جائز مانا گیا ہے۔ایک اہم عنصر یہ بھی ہے کہ یہی سرمایہ دارانہ نظام اخلاقی زوال کو جنم دینے کا بھی ذمہ دار ہے۔قیام پاکستان سے ہی یہ معاشرہ ہمدردی، اخلاقیات اور تعاون جیسے عناصر سے عاری نظر آتا ہے۔یہاں اہمیت اور عزت کا معیار دولت ہے۔ اس کی مخالفت میں آوازیں ضرور بلند ہوئیں مگر اس نظام کا خاتمہ نہ ہو سکا۔بیشتر ممالک میں اس نظام میں اصلاحات اور تبدیلیاں کر کے اس کو قائم رکھا گیا اور آج بھی یہ نظام مختلف صورتوں میں عام آدمی کے استحصال کا باعث ہے۔

پاکستانی افسانہ نگاروں نے قیام پاکستان کے بعد یہاں کی سیاسی و سماجی اور معاشی و معاشرتی تصاویر کو پیش کرنے کے ساتھ ہی جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارینہ نظام کی عکاسی بھی کی ہے۔طبقات کی غیر منصفانہ تقسیم، سرمایہ داروں کے استحصال، اس نظام کے مسائل، غرباء اور مزدور کی بے بسی اور ان کا حالِ شکستہ بہت سے لکھاریوں کے قلم سے ہوتا ہوا ادبی منظر نامے پر ابھرا۔

ممتاز مفتی کا افسانہ "لکھ پتی" میں سرمایہ دار بننے کا خواب عبدالصمد کو پیسہ خرچ کرنے سے روکتا رہا۔اس کی اپنی حالت اس کی غربت کا منہ بولتا ثبوت ہے جب کہ اس کا بیٹا بھی پھٹا ہوا کوٹ اور ٹوٹا ہوا جوتا پہنے رہتا ہے۔عبدالصمد کی ماں نے "لکھ پتی" بننے کی خواہش میں اپنے زیورات زمین میں دفن کر دیئے تھے تاکہ وہ اسے محفوظ رکھ سکے۔وہ زیورات اس کی اولاد کے کام نہ آسکے۔بالآخر وہ اسی راز سمیت زمین میں دفن بھی ہو گئی۔عبدالصمد بھی تمام عمر پیسہ جمع کرتا رہا اور عمر کے آخری حصے میں اسے ماں کے دفن کئے ہوئے زیورات زمین سے مل گئے مگر اس نے زیورات استعمال میں لانے کے بجائے دوبارہ زمین میں ہی دفن کر دیے۔پیسہ ہوتے ہوئے بھی پہلے وہ ماں کی زندگی میں مفلس تھا اور پھر اس کی اولاد بھی اسی حال میں رہی، جبکہ اس کے برعکس ایک معمولی سا بٹیر خریدنے والا نوجوان جو چھ مہینے سے بٹیر خریدنے کے لئے تڑپ رہا تھا، اسے خرید کر محسوس کرتا ہے کہ جیسے اسے قیمتی خزانہ مل گیا ہو۔بٹیر کو حاصل کرنے کر بعد وہ سوچتا ہے کہ خوشیاں ہم قلاشوں کو ہی نصیب ہوتی ہیں دھن والوں کو نہیں۔

اسی طرح ممتاز مفتی کے افسانے "گڑیا گھر" میں اس حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ مادیت پسندی، سرمایہ دارانہ نظام میں انسان کو اس کی شناخت سے محروم کر دیتی ہے۔نامکمل خواہشات اور محرومیاں انسان کو روح سمیت گھائل کر دیتی ہیں۔پھر دنیاوی لذتیں بھی روح کی تکمیل نہیں کر پاتیں۔اس افسانے میں فوضیہ کو ایسی گڑیا سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی شناخت سے ناواقف، جذبات سے عاری اور زندگی کی خوشیوں اور رونقوں سے محروم ہے۔بناوٹی محل میں رہتے ہوئے اور نمود و نمائش کے مظاہروں نے اسے پتھر کا بنا دیا ہے۔وہ لاشعوری طور پر اپنے کرب کا چیخ چیخ کر اظہار کرتی ہے جس کا مداوا سرمایہ دار کا مفلس نوکر نوازش کرتا ہے۔وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے مگر اس کے جذبات زندہ ہیں۔فوضیہ پہلی بار محسوس کرتی ہے کہ وہ بیگم نہیں، اسے اہمیت نہیں دی گئی۔خوف کے لمحوں میں نوازش کی موجودگی میں خود کو محفوظ پاتی ہے۔اگلی صبح اس کی نگاہوں تلے ایک جہاں بکھرا ہوتا ہے۔

> "نیلی جھیل میں ادھر اُدھر گڑیا گھر کے ٹکڑے بہہ رہے تھے۔،اصولوں اور قاعدوں کے بت بے جان پڑے تھے۔ تہذیب و تمدن کے دیوتا اوندھے منہ پڑے تھے۔دیر تک وہ اس ویرانی کو دیکھتی رہی پھر دفعتاً اسے یاد آیا کہ وہ فوضیہ ہے۔وہ ایک تہذیب یافتہ سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہے۔خوفناک عزم سے وہ اُٹھ بیٹھی۔۔۔اصولوں کے بت پھر سے قائم ہو گئے۔تہذیب و تمدن کے دیوتا مسکرانے لگے"[1]

گویا فوضیہ پھر سے اسی نمود و نمائش کے مظاہر میں پتھر کی بن گئی۔

"روغنی پتلے" ممتاز مفتی ہی کا افسانہ ہے جس میں وہ مغربیت میں ڈوبے مشرقی ممالک، ان کی کھوکھلی معاشرت، جدیدیت کے نام پر گراوٹ، عریانی، پامال ہوتے رشتے اور سرمایہ دارانہ کھوکھلا نظام اور اس کی حقیقت کو سامنے لاتے ہیں۔"ایسٹ شاپنگ سینٹر" جو اپنے نام کے برعکس ہے اور شہر میں مشہور ہے، کی اصلیت کو راتوں رات بدل دیا جاتا ہے۔ مغربیت کے نشان ہٹا کر اسے اسلام اور مشرقیت کا عکاس بنا دیا جاتا ہے کیونکہ عزیز حکومتی مہمانان اس کو دیکھنے آنے والے ہیں۔

> "اوپر فیشن آرکیڈ کی جگہ پاکستان آرکیڈ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔اندر دروازے کی عین سامنے اچکن والا بڑے طمطراق سے کھڑا تھا۔۔۔اسکرٹ والی پاجامہ پہنے بازو پر جدید لمبا کوٹ اُٹھائے مسکرا رہی تھی۔"[2]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

یہ وہی شاپنگ سینٹر ہے جہاں مغربی لباس، مغربی روایات، رجحانات اور اقدار موجود ہیں۔افسانہ نگار نے ہر ڈمی کو جیتا جاگتا مجسمہ دکھایا ہے جو سرمایہ دارانہ رنگ کو بے نقاب کرتی ہے۔ان روغنی پتلوں کی گفتگو سے برائے نام مذہبیت سے پردہ اُٹھایا ہے اور سرمایہ داری کے ظاہر و باطن کے تضاد پر ضرب لگائی ہے۔اس نظام نے پورے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اور جہاں ماتحتوں کا استحصال ہو رہا ہے وہاں ہی ذاتی مفاد اور سرمایہ کی ہوس جھوٹے دکھاؤں پر بھی اکساتی ہے۔

احمد ندیم قاسمی وہ افسانہ نگار ہیں جنہوں نے دیہی زندگی کو اپنے افسانوں کا حصہ بنایا مگر ساتھ ہی انہوں نے دیہاتوں کی مشکلات اور مجبوریوں کو بھی اُجاگر کیا۔ سرمایہ دارانہ نظام اپنی استحصالی فطرت کے باعث دھوبی، موچی اور گھریلو دستکاری جیسے پیشوں سے منسلک افراد کو روزگار کے مسائل سے دوچار کئے ہوئے ہے۔جب مجبور ہو کر کوئی بھی راہ نظر نہیں آتی تو زمان، جو پیشہ ور دھوبی ہے، دور دراز علاقوں سے نیلا پتھر کاٹ کر لانے کا کام کرتا ہے جس سے امیر سرمایہ دار کو فائدہ پہنچتا ہے۔جب اس سے اس پیشے کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو وہ دکھ اور بے بسی کے عالم میں خدا کو اپنا واحد سہارا کہتا ہے۔اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے اس نے پتھر کاٹنے کا کام کیا جس سے امیروں کے محلوں کی تزئین و آرائش ہوتی ہے مگر ان پتھروں کی کرچیوں سے وہ اپنی نظر گنوا بیٹھتا ہے۔اس کے بچوں کا وہی واحد سہارا تھا۔نہ ماں تھی اور نہ ہی گھر کا کوئی اور فرد۔پتھر نکالنے کے لئے کئے جانے والے بارودی دھماکوں میں اور بھی بہت سے غریب مزدور اپنی جان گنوا بیٹھتے ہیں۔

"مگر زمان تو کہتا تھا کہ خدا اس کا سہارا ہے اور وہ اپنے بچوں کا سہارا ہے!

وہ شخص جلدی میں تھا۔جاتے ہوئے بولا: 'اس بے چارے نے تو بس ایک ہیرٹ لگا رکھی ہے۔میرے بچوں کا کیا بنے گا

میرے بچوں کا کیا بنے گا۔"[۳]

احمد ندیم قاسمی نے افسانہ "جوتا" میں بھی دیہات میں موجود میراثی کے ساتھ سرمایہ دار چودھری کے تحقیر آمیز رویے کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار "کرموں" اپنے حالات بہتر کرنے کے لیے قوال بن کر معقول پیسے کمانے شروع کر دیتا ہے اور اپنے تین بیٹوں کو چودھری کے بچوں کی طرح سکول میں پڑھانا شروع کر دیتا ہے۔ چودھری کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے کہ اب ایک میراثی کے بیٹے بھی پڑھ جائیں گے تو پھر میرے بیٹوں کے کام اور غلامی کون کرے گا۔کرموں کے کے تینوں بیٹے تعلیم حاصل کر کے شہر میں ملازمت اختیار کر لیتے ہیں تو کرموں کے مالی حالات تبدیل ہو جاتے ہیں۔کرموں زکوۃ دینا شروع کر دیتا ہے اور چودھری کی طرح دارا بنانے لگتا ہے تو چودھری اس پہ اپنے غنڈوں سے تشدد کرواتا ہے۔احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

"۔۔۔حرام کی اولاد، اس نے کہا اتھل کمینہ کہیں کا، دیکھ لینا لوگو سال دو سال میں خود زکوۃ مانگنے نکل کھڑا ہو گا۔اگر اس وقت تک قیامت نہ آگئی تو ایک میراثی جب زکوۃ دینے لگے تو سمجھو سورج سوا نیزے پر اترنے کو ہے۔۔۔پھر ایک روز کرموں گلی میں بیٹھا لوگوں سے گپ ہانک رہا تھا باتوں باتوں میں کہنے لگا میں میراثی ہوں پر تین بابو لوگوں کا باپ بھی ہوں اس لیے جی چاہتا ہے یہاں گلی میں بیٹھنے کی بجائے ایک بکھی بیٹھک بنوالوں بیٹھنے کے لیے چودھری کا دارا تو ہے مگر میں وہاں بیٹھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے سر کے بل کھڑا ہوں چودھری کی طرف سے اسے بلاوا آگیا۔اس نے دائرے پر قدم رکھا ہی تھا کہ تین چار مسٹنڈوں نے اسے دبوچ کر گرا دیا اور چودھری کا پلا ہوا منشی اس کی پیٹھ پر جوتے برسانے لگا۔ساتھ ساتھ چودھری اسے گالیاں دیتا رہا اور کہتا رہا، بیٹھک بنائے گا کمینہ، دارا لگائے گا میری طرح، چار پیسے کیا آگئے کہ اپنی اوقات ہی بھول گیا۔"[۴]

افسانہ "عورت صاحبہ" میں بھی اس نظام کے سبب پامال ہوتی قدریں اور اخلاقی پستی کو موضوع بنایا گیا ہے۔احمد ندیم قاسمی نے اس افسانے میں اس بات کو اجاگر کیا ہے کہ کس طرح سرمایہ دار طبقہ اعلیٰ معیارِ زندگی حاصل کرنے کی غرض سے کس حد تک اخلاقی پستی کا شکار ہے۔یہ افسانہ پڑھے لکھے باشعور نوجوان امتیاز کے گرد گھومتا ہے جو رات بھر کلب میں دوسرے لوگوں کی اہلیہ اور خواتین سے دست درازی کرتا ہے۔امتیاز کا والد کلب کا مالک بھی ہے۔وہ مذہبیت کا لبادہ اوڑھے معاشرے میں شر کو فروغ دینے کا باعث بھی ہے۔ وہ امتیاز کو بھی اس لیے کچھ نہیں کہتا کہ کلب کی بدنامی نہ ہو۔یہ کلب اس کو خاصا منافع دیتا ہے۔ایسے سرمایہ دار عزت اور حساسیت سے عاری ہیں۔وہ شرافت کا لباس زیب تن کیے گناہوں کو فروغ دینے میں مصروف نظر آتے ہیں۔کلب ممبر بھی اس حقیقت سے نگاہیں چراتے ہوئے سیٹھ صاحب کی تعریف میں کہتے ہیں: "اگر سب کیپٹلسٹ سیٹھ صاحب کی طرح ہو جائیں تو سوشلزم اپنی موت آپ مر جائے۔"[۵] سرمایہ دار نے صارفیت زدہ معاشرے میں عام آدمی کو صارف بنا دیا ہے اور ایک ایسا نظام تشکیل دے دیا ہے جس میں ہر عام

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

آدمی، سرمایہ دار کے سرمائے کو تقویت دینے کے لیے ہی کام کرتا ہے۔ سرمایہ دار کو علم ہے کی سوشلزم کا یہ نظام دولت کی اس غیر منصفانہ تقسیم کے ڈھانچے کو زمین بوس کر دے گا۔

شوکت صدیقی نے بارہا اپنی تحریروں میں سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقیت، اس کے اثرات اور اس باعث پنپتی برائیوں کو موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی تاریکی کو "تاریک دن" میں موضوع بنایا ہے۔ اس کہانی میں بتایا گیا کہ کس طرح زرعی زمینوں اور ہرے بھرے کھیتوں کی جگہ کارخانوں اور مشینوں نے لے لی۔ اس سبب غربت اور مفلسی میں اضافہ ہوا۔ زینو بھی اپنی بہن جوہی کے ساتھ سرمایہ دار کی فیکٹری میں کام کرنے لگا اور وہاں ہی رہائش پذیر ہو گیا۔ وہاں ایک دن بہن کی عزت بچانے کی غرض سے ایک شخص کو قتل کر کے سلاخوں کے پیچھے چلا گیا۔ اور پھر پولیس کے محافظ ہی جوہی کی عزت کو تار تار کر دیتے ہیں۔ پھر سرمایہ دار خواجہ احسان اللہ جس کی وجہ سے جوہی اس حال کو پہنچی وہ بد چلن کہہ کر بھیک مانگتی جوہی کو وہاں سے نکال دیتا ہے۔ "یہ مقدس جگہ ان کے لئے نہیں ہے۔ یہاں شریف گھروں کی بہو بیٹیاں آتی ہیں ابھی نکالئے اس کم بخت کو۔"[۶]

افسانہ "الاؤ کے پاس" میں شوکت صدیقی نے ایسے طبقے کو موضوع بنایا ہے جو بھوک کے باعث شدت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ مظام میں استحصالی رویہ اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، دولت اور جسم کی بھوک، عزت کی تمنا، صحیح اور غلط کا فرق مٹا دیتی ہے۔ غریب طبقہ اپنا اور اہل خانہ کا پیٹ پالنے کے لئے پھر کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ محنت اور مشقت کے باوجود بھوک ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اس کہانی میں ایک قافلہ جو بائیس افراد پر مشتمل ہے اسی غرض سے سرکاری قافلے کو لوٹنے کا قصد کرتے ہیں۔ اس قافلے میں شامل ہاڑا اور بالا باغی ہو کر شدت پسندی کو اختیار کرتے ہیں۔ وہ نوجوان جو محنت کرتے، طاقتور جسم سے مشقت کرتے اور مثبت جذبات سے پُر تھے وہ استحصالی حالات میں اسلحہ کو ساتھی بنا لیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ بھوکے مرنا نہیں چاہتے بلکہ زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ حملے کے نتیجے میں ان پر پولیس دھاوا بولتی ہے اور وہ مقام میدان جنگ کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ بھوک سے بچنے کی خاطر یہ قدم اٹھانے والے بھوکے ہی موت کی وادی میں اتر جاتے ہیں۔ بھوک کی ایسی بہت سے صورتوں کو شوکت صدیقی نے اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے۔

افسانہ "سند باد جہازی کا نیا سفر" میں ہاجرہ مسرور نے تمثیلی انداز میں سرمایہ دارانہ نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ انہوں نے سرمایہ داری کو جاگیر داری کی بہن بتایا ہے۔ ان کا یہ ماننا ہے کہ ان دونوں کا کام کسانوں اور غرباء کا خون نچوڑنا ہے۔

> "دیکھ بھئی سند باد میرا نام ہے۔ سرمایہ داری تم نے شہنشاہت کا نام تو سنا ہی ہو گا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میں اسی کی ناجائز اولاد ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی گود لی ہوئی ہوں۔۔۔ میری ایک بڑی بہن بھی ہے۔ اس کا نام جاگیر داری ہے۔ کسی زمانے میں بڑی چٹکو مٹکو تھی۔۔۔ اسے خود بڑی مدت سے کمی خون کی شکایت ہے۔ بے شمار کسانوں کے کلیجے نچوڑ نچوڑ کر انجکشن دیئے جاتے ہیں مگر اس کی رگیں ہیں کہ سوکھتی ہی جا رہی ہیں"۔[۷]

خبر نویسی پر کاری ضرب لگاتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "لو سنو۔ اس کا نام ہے اخبار نویس اور کام ہے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھانا۔ صاحب یہ بڑے دھڑلے کی چیز ہے۔ بیچ بازار مرغ لڑاتا ہے۔ طاقتور ایسا کہ بڑے بڑوں کو بنا بگاڑ دے۔ لوگ کسی کی اتنی نہیں سنتے جتنا اس کا لکھا ہوا پڑھتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ 'لیڈر' بھی اس کے بغیر نہیں چمکتا۔ جس کے قابو میں یہ آجائے اس کی چاندی ہی چاندی ہے۔"[۸]

اشتراکی سماج کے خلاف لکھنے پر سند باد کو روٹی، کپڑا اور رہائش کا لالچ دیا جاتا ہے اور اگر زیادہ لکھے تو کسی ملک کا سفیر بنانے کی بھی پیش کش کی جاتی ہے۔ مصنفہ نے غریب طبقے کی زبوں حالی کو بھی بیان کیا ہے اور سرمایہ دارانہ استحصال کو بھرپور طور سے بے نقاب کیا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ملکی حالات، معاشی و اقتصادی مصائب اور غریبوں کے استحصال کے خلاف افسانہ نگار آواز بلند کرتے نظر آئے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے پاکستان میں جن مسائل کو جنم دیا افسانہ نگار بڑے پیمانے پر ان کو احاطۂ تحریر میں لائے۔ پاکستانی افسانوں میں سرمایہ دارانہ عناصر کی جھلک ہر عہد میں دیکھی جا سکتی ہے۔

**حوالہ جات:**

۱۔ ممتاز مفتی، گڑیا گھر، مشمولہ: گڑیا گھر، (لاہور: فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۳ء)، ص: ۲۷
۲۔ ممتاز مفتی، روغنی پتلے، مشمولہ: روغنی پتلے (لاہور، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، 2003ء)، ص: 120

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

۳۔احمد ندیم قاسمی، نیلا پتھر، (لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۸۰ء)، ص: ۶۸

۴۔احمد ندیم قاسمی، جوتا، مشمولہ: مجموعہ احمد ندیم قاسمی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸)، ص ۵۹۴

۵-احمد ندیم قاسمی، عورت صاحبہ، مشمولہ: کوہ پیما، (لاہور: اساطیر، ۱۹۹۵ء)، ص: ۵۳

۶۔شوکت صدیقی، تاریک دن، مشمولہ: اندھیرا اور اندھیرا، (کراچی: کتاب پبلیکیشنز، ۱۹۵۵ء)، ص: ۲۶

۷۔ہاجرہ مسرور، سندباد جہازی کا نیا سفر، مشمولہ: سب افسانے میرے، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء)، ص: ۴۴۵۔۴۴۶

۸۔ایضاً، ص: ۴۴۶